

زکوٰۃ دنیا کی سب سے پہلی اجتماعی خود کفالت

از۔ سید اسعد گیلانی

دنیا میں سب سے پہلے اسلام نے عزباء، مساکین اور محرومین کی کفالت کے بارے میں ایک اجتماعی اسکیم تیار کی اور اسے ایک عبادت بنا کر نافذ کیا۔ دین اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے اسے ایک رکن بتایا۔ اسے ادا کرنا ہر صاحب نصاب فرد معاشرہ پر لازم کیا اور خلیفہ راشد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمل کے مطابق جو اس کی ادائیگی سے انکار کرے اسے خلافت اسلامی حکومت کو جہاد کرنے کا حکم دیا گیا۔ تاکہ عزباء اور مساکین کا یہ حق جو معاشرے کے متحمل اور صاحب ثروت افراد کے ذمے خود خدا کی طرف سے عائد کیا گیا ہے، اس سے سرتابی کی کسی شخص کو جرات نہ ہو۔ بقول علامہ اقبالؒ اسلام وہ دین ہے جس میں غربا امرا پر ٹیکس عائد کرتے ہیں اور یہ کوئی بھیک اور خیرات نہیں ہے بلکہ غربا مساکین اور محرومین کا حق ہے جو امر کے ذمے ہے اور جہت تک امر اس حق کو ادا نہ کریں وہ خدا اور رسول اور تمام غربا اور مساکین کے مفروض ہیں۔

اسلام کا یہ رکن واضح طور پر ایک اجتماعی فریضہ ہے اور اسلام کے اقتصادی نظام میں زکوٰۃ کی حیثیت مرکزی اور محوری ہے اس کو نظر انداز کر کے اسلام کے اقتصادی نظام کا کوئی تصور نہیں کیا جاسکتا۔

زکوٰۃ مسلمانوں کے مال پر خدا اور رسول اور غریب مسلمانوں کی طرف سے عائد ہونے والا ایک اجتماعی حق ہے۔ ایک پہلو سے یہ عبادت ہے اس لیے کہ یہ ارکان اسلام میں سے ہے اور ارکان اسلام سب عبادات ہیں۔ اور دوسرے اعتبار سے یہ اجتماعی ٹیکس

یا اجتماعی فریضہ ہے جو غریب مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور ان کی اجتماعی کفالت کا ذریعہ ہے۔
غریب کی اجتماعی کفالت ایک ایسا فریضہ ہے جس میں پورے معاشرے کو مجتمع ہو کر شریک ہونا
چاہیئے۔ اس کا تصور صرف اسلام نے دیا ہے اس لیے کہ اگر کسی معاشرے کے اندر غریب
اور مساکین کی ایک خاص تعداد موجود ہو جو اپنی روزمرہ کی ضروریات پوری کرنے سے بھی
قاصر ہو جو سیدھی سادی جسمانی ضروریات ہیں تو وہ معاشرے کے روحانی ارتقاء میں
کوئی حصہ نہیں لے سکتے جس کے نتیجے میں وہ معاشرہ صرف حیوانی ضروریات کی فراہمی کے لیے
بہمی کش مکش کرنے والا خالص مادی اور حیوانی معاشرہ بن کر رہ جاتا ہے۔ اور انسان احسن تخلیق
کے اس مقام سے گر جاتا ہے جو نشانے تخلیق انسانیت ہے۔ اس لیے اسلام کے مخصوص مزارع
کو سامنے رکھتے ہوئے ہم زکوٰۃ کو ایک عبادتی اجتماعی فریضہ قرار دیں گے۔ زکوٰۃ کا نام اس
امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس کے معنی میں طہارت اور ضمیر کی پاکیزگی پوشیدہ ہے جو زکوٰۃ
کی ادائیگی کے بعد ادا کرنے والے کو حاصل ہوتی ہے۔ یہ گویا قلب کی اس صفائی کا نام ہے جو جب
ذات اور حرص و بخل سے بلند و بے نیاز ہو جائے پر انسان کو تعمیر آتی ہے۔ مال تو ہر ایک
کو عزیز ہوتا ہے۔ اور اپنی ملکیت ہر ایک کو محبوب ہوتی ہے۔ لیکن انسان اگر یہ مال دوسروں
کی خاطر صرف کر لے تو اسے پاکیزگی نفس اور طہارت ضمیر حاصل ہوتی ہے۔ اس میں اس کی
عبادت مضمر ہے۔ زکوٰۃ مال کی وہ پاکیزگی ہے جو حق مال ادا کرنے اور اس طرح حلال قرار پا
جانے کے بعد اسے حاصل ہوتی ہے۔ زکوٰۃ کا یہی عبادتی پہلو ہے جس کے سبب اسلام کے لطیف
احساس نے یہ گوارا دیا کہ اہل ذمہ اور اہل کتاب سے اس عبادت کی ادائیگی کا مطالبہ کرے۔
چنانچہ اس نے اس کے عوض ان پر جزیہ عائد کیا تاکہ وہ اس کے ذریعہ ریاست کے عام
اخراجات میں شریک ہو سکیں۔ اور جبراً کسی اسلامی عبادت کے پابند نہ قرار دیے جائیں
زکوٰۃ سماج کا ایک حق ہے۔ جو فرد پر واجب ہوتا ہے تاکہ ضرورت مند طبقوں
کی ضروریات پوری ہو سکیں۔ اور ناگزیر ضروریات کے علاوہ کبھی انہیں کچھ سامان زندگی
فراہم کیا جاسکے۔ اس طرح اسلام کسی حد تک اپنے اس اصول کو عملی جامہ پہاتا ہے جو
آیت کریمہ **لَا يَكُونُ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ** میں بیان ہوا ہے

اسلام کو انسانوں کا فقر و احتیاج میں مبتلا رہنا بالکل گوارا نہیں ہے اس نے یہ اصول طے کر دیا ہے کہ فرد اگر استطاعت رکھتا ہو تو اپنی قوت بازو کے بل پر اپنی ضروریات کی تکمیل کا اہتمام کرے اور اگر وہ کسی جہ سے ایسا نہ کر سکتا ہو تو اسے سناج کے مال میں سے کفاف دیا جائے۔ معذوری کی صورت میں معاشرے کے ذمے اس کا حق کفالت ہے۔

اسلام کو انسان کا فقر و احتیاج میں مبتلا رہنا کیوں گوارا نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ چاہتا ہے کہ انسان کو اس کی مادی ضروریات سے فارغ کر کے ان بلند تر مقامات و منازل کی طرف توجہ کرنے کا موقع فراہم کرے جو مقام انسانیت اور اس خصوصی شرف و امتیاز کے نمایان شان ہیں۔ جو اللہ نے بنی آدم کو عطا فرمایا ہے۔

”ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور ان کو خشکی و تری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔“ (دینی اسرائیل ۷۵)

اللہ نے انسانوں کو یہ بزرگی عقل و جذبات اور جسمانی ضروریات سے بلند تر مقاصد کی طرف روحانی میلانات دے کر عطا کر دی ہے اب اگر انسانوں کو ضروری سامان زندگی اس قدر بھی میسر نہ ہو کہ انہیں ان روحانی میلانات اور فکری بلند پروازیوں کے لیے کچھ وقت مل سکے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ان کی یہ بزرگی ان سے چھین لی گئی اور وہ جانوروں کے مقام پر واپس چلے گئے بلکہ اس سے بھی نیچے۔ کیوں کہ جانوروں کو تو عموماً کھانے پینے کو مل جاتا ہے بہت سے جانور مست ہو کر کلیں کرتے پھرتے ہیں اور کتنی ہی پڑیاں پیٹ بھر لینے کے بعد زندگی کی رعنائیوں پر خوشیاں مناتی اور چھپاتی پھرتی ہیں پھر انسان اس سے محروم کیوں ہوا؟ ایسا شخص جسے اپنے کھانے پینے کی فکر ہی آنا مشغول رکھے وہ کسی بلند مقام انسان کے نمایان شان اظہار و تصورات کیسے کر سکتا ہے۔ اگر اسے اتنی فرصت بھی میسر نہ ہو جتنا چند دیر بند کو حاصل ہوتی ہے تو وہ نہ تو انسان کہلانے کا مستحق ہے اور نہ اللہ کے نزدیک شرف امتیاز کا حامل۔ غرض یہ صورت حال کہ آدمی اپنا سارا وقت صرف کر دینے اور ہر ملن کو شش کر لینے کے باوجود بقدر کفایت و کفالت روزی نہ حاصل کر سکے اس کے حق میں زہر قاتل ہے یہ

صورت حال لئے اس مقام سے بہت نیچے گرا دیتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے پسند فرمایا ہے۔ یہ صورت حال اس معاشرے کے حق میں بھی مسلک ہے جس کے افراد اس صورت حال میں مبتلا ہوں۔ ایسا معاشرہ ایک پست معاشرہ ہے جو اللہ کی طرف سے ملنے والی عزت و بزرگی کا مستحق نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس نے ارادہ الہی کی خلاف ورزی کی ہے اور انسان کو احسن تقویم کے مقام سے اہل السافلین میں گرا دیا ہے۔

انسان کو اللہ نے منصبِ نبیاً بت عطا فرمایا ہے تاکہ وہ اس زمین پر زندگی کی شادابی اور حسن سے لطف اندوز ہو کر ان ساری نعمتوں پر اللہ کا شکر بجالائے۔ جو اللہ کی عطا کردہ ہیں لیکن اگر کسی انسان کی پوری زندگی بس روٹی کی نذر ہی ہو جائے تو وہ ان بلند مقامات کو بھی حاصل نہ کر سکے گا۔ جی متا صمد کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

اسلام کو یہ بات بہت ناپسند ہے کہ امت مسلمہ کے مختلف افراد کے درمیان اتنا تفاوت پایا جائے۔ کہ کچھ لوگ تو عیش و عشرت کی زندگی گزاریں اور دوسرے لوگ خستہ حال اور پریشان ہوں۔ اور یہ خستہ حالی مغربی۔ فاقہ کشی اور کپڑوں کے بغیر ننگے رہنے کی حد تک جا پہنچے۔ ایسی قوم مسلمان نہیں کہی جاسکتی۔ اللہ کا رسول فرماتا ہے۔

”جس بستی میں کسی شخص نے اس حال میں صبح کی کہ وہ رات بھر بھوکا رہا اس بستی سے اللہ کی حفاظت و نگرانی کا وعدہ ختم ہو جاتا ہے“ (سند امام احمد)

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ۔

تم میں سے کسی کا ایمان اس وقت تک معتبر نہیں جب تک وہ جو کچھ اپنے لیے پسند کرتا ہے وہی اپنے بھائی کے لیے بھی نہ پسند کرے۔ (متفق علیہ)

اسلام امت کے مختلف افراد کے درمیان اتنے زیادہ تفاوت کو کیوں نہیں پسند کرتا؟ اس کا جواب حمد و کینہ کے ان خطرناک جذبات میں مضمر ہے جو طبقاتی احساس کے نتیجے میں معاشرے کی بنیادیں ہلا دیتے ہیں۔ اس کا جواب اس بے جا امتیاز، حق تلفی، اور سنگ و لی میں پوشیدہ ہے جو قلب و ضمیر کو آلودہ کر دیتے ہیں۔ اتنا تفاوت ہونے کا مطلب ضرورت مندوں کو چوری اور غصب کرنے یا عزت نفس اور خود داری سے ہاتھ دھو کر

استثنائی ذلت و خواری میں مبتلا ہو جانے پر مجبور کرتا ہے یہ انسانوں کو پستی کی طرف لے جانے والے عوامل میں سب سے بڑا سبب ہے جن سے اسلام معاشرے کو بچانے رکھنا چاہتا ہے اسلام نہیں چاہتا کہ دولت تو م کے مال دار افراد کے درمیان ہی گردش کرتی رہے اور عوام کی اکثریت کو خرچ کرنے کے لیے مال میسر نہ ہو کیوں کہ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قوم کی زندگی ٹھٹھر کر رہ جاتی ہے اور روزگار اور آمدنی کی سطح گر جاتی ہے۔ اکثر لوگوں کے ہاتھوں میں مال ہو گا تو وہ اسے ضروریات زندگی کی خریداری میں خرچ کریں گے۔ نسیاء کی طلب برہے گی یہ پیداوار میں اضافہ ہو گا اور قابل کار افراد کے لیے مکمل روزگار حاصل ہو سکے گا اس طرح محنت، پیداوار، دولت، اور صرف دولت کا عمل اپنے قدرتی انداز پر جاری رہ کر مفید نتائج سامنے لائے گا۔ دولت کی گردش میں ہی معاشرے کی اقتصادی صحت پوشیدہ ہے۔ یہی مقصد زکوٰۃ کا ہے۔ اسلام نے اسے ایک مالی فریضہ قرار دیا ہے۔ یہ محدودین اور مستحقین کا ایک قانونی حق ہے۔ یہ زکوٰۃ نکالنے والوں کا احسان نہیں ہے۔ بلکہ ان کے مال کے تحفظ کی ضمانت ہے۔ اس کا نصاب اس طرح مقرر کیا گیا ہے کہ سارے مال دار لوگ اس کی ادائیگی میں شریک ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ حد جس سے کم مال پر زکوٰۃ نہیں عائد ہوتی۔ صرف بین شتال سونا ہے۔ جو ہمارے سکے میں تیس پاؤنڈ کے برابر ہے البتہ شرط یہ ہے کہ مالک مقروض نہ ہو۔ یہ رقم ضروریات کے علاوہ اس کے پاس فاضل بچ رہی ہو۔ اور اس پر پورا ایک سال گزر چکا ہو۔ ظاہر ہے کہ جو آدمی خود ہی زکوٰۃ کا مستحق ہو اس سے زکوٰۃ ادا کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا۔ عشر یا دوسرے الفاظ میں زرعی پیداوار اور پھلوں کی زکوٰۃ فصل کے موسم پر وصول کی جاتی ہے اور فصل تیار ہونے پر واجب ہو جاتی ہے سامان تجارت کی زکوٰۃ سونے یا چاندی میں اس کی جو قیمت آتی ہے، اس کے حساب سے لی جاتی ہے۔ مویشیوں کی زکوٰۃ کی شرحیں بھی مقرر ہیں اور ان میں وہی تناسب ملحوظ رکھا گیا ہے جو نقد سرمایہ کی زکوٰۃ میں پایا جاتا ہے یعنی چالیسوا حصہ ایسی مال زکوٰۃ کی دوسری اقسام کا ہے۔

مستحقین زکاة | اسلام نے معاشرے کے عاجز و محتاج حضرات کو چن چن کر اس بل کا مستحق قرار دیا ہے۔ قرآن کریم کی صراحت کے بموجب ہر زکاة کے مستحق یہ لوگ ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جو نصاب سے کم مال رکھتے ہیں۔ یا اگر صاحب نصاب ہیں تو اتنے مقروض ہیں کہ قرضہ وضع کرنے کے بعد صاحب نصاب نہیں رہ جاتے۔ اسلام چاہتا ہے کہ ہر فرد کو جہاں تک ممکن ہو سامان دنیا سے مستفید ہونے کی خاطر قدر کفایت سے کچھ زیادہ بھی حاصل ہو۔

۲۔ مساکین | وہ لوگ جن کے پاس کچھ نہ ہو۔ قدرتی طور پر یہ لوگ فقراء سے زیادہ مستحق ہیں لیکن احکام مستحقین میں فقراء کے ذکر کو دوسروں پر مقدم رکھنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ فقراء کے پاس جو تھوڑا مال ہوتا ہے وہ کافی نہیں اور ان کا حال بھی گویا مساکین جیسا ہی ہوتا ہے اور ظاہر ہے اسلام بقدر ضرورت کفالت کی فراہمی پتقانہ نہیں ہے وہ اس سے کچھ زیادہ فراہم کرنا چاہتا ہے۔

۳۔ عاملین زکاة | یہ وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ کی تحصیل عمل میں لاتے ہیں ان کو ان کے کام کے معاوضہ کے طور پر جو کچھ دیا جاتا ہے۔ وہ ظاہر ہے اسی مدد سے ہوگا۔ خواہ یہ خود صاحب مال ہوں۔ گویا زکوٰۃ میں ان کا حصہ ایک طرف کی خواہ ہے اور اس کا تعلق نظام عنت و اجرت سے ہے۔ نہ کہ ضروریات کی تکمیل سے یہ کفالت نہیں ہے فراہمی زکاة کے فریضے اور ادائیگی کی کارکردگی کی اجرت ہے یہ وہ لوگ ہیں جو ابھی نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے

۴۔ مؤلفۃ القلوب | ہوں ان کو مال دے کر ان کی ہمت افزائی کرنا اور

نئے حالات میں ان کو سہارا دینا اور ان جیسے دوسرے لوگوں کو اسلام کی طرف لانا مقصود ہوتا ہے۔ اگرچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس مصروف پر خرچ کرنا بند کر دیا گیا تھا لیکن چونکہ قرآن کی ایک آیت کی موجودگی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر فقہاء اس سلسلہ میں تصرف کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے اس لیے

ضرورت کے مطابق یہ مدبر دور میں استعمال کی جاسکتی ہے

۵۔ گرنیس چھڑانے میں (قیدیوں اور غلاموں کی)

اس سے مراد ان
مکاتب غلاموں

کی مالی امداد ہے جو اپنے آقاؤں سے ایک متعین رقم کے عوض آزادی حاصل کر لینے کا معاہدہ کر لیں تاکہ وہ اپنا مقصد حاصل کر سکیں۔ قیدیوں کے لیے بھی یہ رقم صرف کی جاسکتی ہے اور بے گناہ قیدیوں کی رہائی یا انکے قرضوں کی ادائیگی کے کام آسکتی ہے

۶۔ قرض دار

وہ لوگ جن کے اوپر انکی پونجی سے کہیں زیادہ قرض ہو ان کا قرض ادا کرنے میں مدد کرنے کے لیے البتہ شرط یہ ہے کہ وہ قرض کسی گناہ کے کام کے لیے نہ کیا گیا ہو۔ مثلاً عیش پرستی وغیرہ۔ ان کو زکوٰۃ سے حصہ دینا ایک طرف تو قرض سے نجات کا ذریعہ بنے گا۔ دوسری طرف ان کو صاف ستھری باعزت زندگی بسر کرنے کا موقع مہیا کرے گا۔

۷۔ فی سبیل اللہ

یہ ایک عام مد ہے جس کی عملی شکلیں حالات ہی متعین کر سکتے ہیں۔ مجاہدین کی تیاری، بیماروں کا علاج، جو لوگ خود سے تعلیم نہ حاصل کر سکتے ہوں ان کی تعلیم کا بند و بست۔ غرض یہ کہ وہ سارے کام جو مصالح مسلمین کی خاطر مفید اور ضروری ہوں حتیٰ کہ تبلیغ دین اور اشاعت دین کے کام بھی اس مد کے تحت آجاتے ہیں۔ وہ شخص جو غریب الوطنی کے باعث اپنے مال سے فائدہ نہ اٹھا سکتا ہو

۸۔ مسافر

اور اس وقت اس کا ہاتھ خالی ہو۔ اس تعریف کے تحت آج کل کے مہاجرین بھی آجاتے ہیں جو جنگ، غارت گری اور ظلم و جبر کے باعث بے گھر ہو جاتے ہیں۔ جو کچھ مال و دولت ان کے پاس تھا وہیں چھوٹ جاتا ہے اور اب ان کے لیے اس سے استفادہ ممکن نہیں رہ جاتا واضح رہے کہ اسلام ان مستحقین کو زکوٰۃ میں سے حصہ پانے کا حق اسی وقت دیتا ہے جب کہ کسب مال کی کوشش کے باوجود ان کا کام نہ چلے۔ اس پالیسی کی وجہ یہ ہے کہ اسلام عزت نفس اور خودداری کو سب سے اہم چیز سمجھتا ہے اس لیے وہ اس کا اہتمام کرتا ہے کہ ہر فرد کو روزی کا ایک ایسا ذریعہ حاصل رہے جو اس کے اپنے اختیار میں ہو

اور جس کے سلسلہ میں وہ کسی کا بھی یہاں تک کہ معاشرے کا بھی، محتاج اور دست نگر بنتے رہے۔ محبوب نہ ہو۔ اسی لیے وہ لوگوں کو ترغیب دلاتا ہے کہ محنت کریں اور اس طرح مدد لینے سے مستغنی ہو جائیں۔ اسی لیے اس نے حکومت اور معاشرے کی اولین ذمہ داری یہ قرار دی ہے کہ ہر فرد کے لیے روزگار فراہم کرے۔ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مانگنے آیا۔ آپ نے اسے ایک درہم غایت فرمایا کہ اس سے ایک رسی خرید لے۔ جنگل سے لکڑیاں پننے اور انہیں باندھ کر لے آئے اور اس طرح اپنی قوت بازو کی کمائی پر گذر بسر کرے۔

زکوٰۃ کی رقم سے دی جانے والی امداد آخری اجتماعی بچاؤ ہے۔ یہ درحقیقت ایسے افراد کے لیے معاشرتی تحفظ ہے جو باوجود کوشش کے کچھ نہ کما سکیں یا ضرورت سے کم یا بقدر ضرورت ہی حاصل کر سکیں۔ زکوٰۃ کے ذریعہ یہ مقصد بھی حاصل کیا جاتا ہے کہ دولت تمام افراد معاشرہ کے درمیان گردش کرتی رہے تاکہ پیداوار، محنت اور صرف کے درمیان سرمایہ کی گردش موزوں طریقہ پر انجام پاتی رہے۔ اسلام بیک وقت معاملہ کے دونوں پہلوؤں کی رعایت ملحوظ رکھتا ہے ایک طرف تو اس کی یہ خواہش ہے کہ ہر فرد اپنی طاقت بھر کا کام کرے اور اجتماعی امداد کا سہارا لے کر بے کار وقت گزاری نہ کرے۔ اور دوسری طرف وہ اس بات کا لحاظ رکھتا ہے کہ ضرورت مند کو بقدر ضرورت مدد دے کہ ضروریات حیات کا بوجھ اس کے سر سے ہلکا کر دیا جائے اور اسے ایک صاف ستھری اطمینان و سکون کی زندگی بسر کرنے کے مواقع فراہم کر دیے جائیں۔ ساتھ ہی وہ اسکے ذریعہ سرمایہ کے موزوں طریقہ پر گردش کرتے رہنے کا اہتمام بھی کرتا ہے تاکہ مال معاشرے کے ہر گوشے تک پہنچ سکے۔

اصل اہمیت اس نظام زکوٰۃ کے ڈھانچہ کو حاصل نہیں ہے بلکہ اہم چیز اس نظام کی خود کفالتی کی روح ہے۔ اسلام اپنی تلقین و ترغیب، اپنے قوانین اور اپنے اجتماعی ضوابط کے ذریعہ جو معاشرہ برپا کرتا ہے وہ اس نظام کے ڈھانچے اور اس کے طریقہ و نفاذ سے مزاجی مناسبت رکھتا ہے۔ وہ قوانین اور ترغیبات سے مل کر تکمیل پاتا ہے۔ اس میں کفالت باہمی باطن سے بجا ختم ہوتی ہے اور ظاہری قوانین کے ذریعہ بھی عمل میں آتی ہے دونوں طریقے ایک دوسرے کی کمی پوری کرتے اور ہم آہنگ ہو جاتے ہیں کفالت باہمی کا یہ نظام جن بنیادی اصولوں پر

استوار ہوتا ہے وہ یہ ہیں :-

۱۔ انسان زمین پر خدا کا نائب اور خلیفہ ہے وہ خود کسی شے کا فی نفسہ مالک نہیں ہے اس لیے کہ وہ اس کا خالق نہیں ہے۔ دنیا کا نظام ملکیت دراصل نظام نیابت ہے اس لیے کہ زمین کے جملہ وسائل کا خالق اور مالک اللہ تعالیٰ ہے اس لیے انسان پر لازم ہے کہ وہ خدا کی اس ملکیت میں خدا کی شریعت کے مطابق تصرف کرے اس شرط کی خلاف ورزی سے تصرف کا حق کا عدم ہو جاتا ہے اور نیابت کے معاہدہ کی خلاف ورزی ہو جاتی ہے۔

۲۔ یوں تو یہ نیابت عام ہے البتہ افراد کو ان کے عمل اور محنت کے عوض انفرادی ملکیت کا حق حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ حقیقی مالک اللہ سبحانہ تعالیٰ نے انہیں بعض متعین املاک کا مالک بنا دیا ہے۔ پھر اس کو وہ عام تحفظات عطا کرتا ہے جن کے نتیجے میں فرد کو اپنی روزی کی طرف اطمینان حاصل رہے اور وہ باعزت طریقہ پر زندگی گزار سکے۔ تاکہ وہ شریعت الہی کے احکامات سے ہم آہنگ رہے اور اس حساب کی وہ ذمہ داری بھی ادا کر سکے جو اس پر عائد کی گئی ہے۔

۳۔ امت مسلمہ کی زندگی کا بنیادی طریقہ انفرادی ملکیت کے اصول کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے کفالت باہمی ہے انفرادی ملکیت پر غاید ہونے والی جن ذمہ داریوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ اس اصول کفالت باہمی کا تقاضا ہیں ان حدود کو شریعت نے واضح کر دیا ہے کفالت باہمی پر عمل کے لیے شریعت کی عائد کردہ پابندیاں اور ذمہ داریاں کافی ہیں۔

۴۔ اس نظام کے ذریعے اس سے کہیں زیادہ اور بہتر اجتماعی عدل قائم ہوتا ہے جتنا انسان کے وضع کردہ کسی دوسرے نظام کے ذریعہ ممکن ہے جس میں صحیح اور غلط دونوں طریقوں کی آمیزش ہوتی ہے۔

غرض جب ہم اسلام کے نظام زکوٰۃ کی خود کفالتی اسکیم کو دیکھتے ہیں تو اس سے ہمارے سامنے اسلام کا یہ منشا ہوتا ہے کہ انسانوں میں مال کی کمی کے سبب ذلت و رسوائی کا احساس اور زیادتی کے سبب غرور کبریا کی رجحان نہ پیدا ہونے پائے اسلامی معاشرے میں یہ روح کار فرما ہے۔

• انسان ہونے کے ناطے سے سب انسان ایک ہی والدین کی اولاد ہیں۔

• مسلمان ہونے کے رشتے سے سب برابر اور بھائی ہیں۔

• مال کی کمی بیشی کسی ذاتی زوال و کمال کی دلیل نہیں بلکہ خدا کی تقسیم کردہ معیشت میں

بندوں کا پرچہ امتحانی ہے احساس ذمہ داری کا امتحان، اجتماعی اخوت کا امتحان،

خدا کے بندوں تک ان کا گم شدہ حصہ رزق پہنچانے کی دیانت کا امتحان اور یہ

امتحان کہ کمی پر صبر کرنے والے اور بیشی پر شکر کرنے والے اور ان دونوں جذبوں

کا حق ادا کرنے والے کون لوگ ہیں۔

غرض اسلام کا نظام زکوٰۃ طبقاتی احساسات، شاکر اخوت و مسادات کا ماحول

بناتا ہے۔ اس مساوات کے بہترین نمونے ہمارے سامنے دور اول کے آتے

ہیں۔ رسول اکرمؐ نے اپنی چھوٹی زاد بہن زینب بنت جحش کی شادی جو قریش کے ہاشمی خاندان

سے تعلق رکھتی تھیں، اپنے آزاد کردہ غلام زید کے ساتھ کر دی۔ شادی ایک ایسا

نازک مسئلہ ہے جس میں برابری کا سوال دوسرے سوالات سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔ رسول

اکرمؐ کے سوا کسی دوسرے شخص یا دین اسلام کے سوا کسی دوسری قوت کے بس میں نہ

تھا کہ ایسا معجزہ کو دکھائے جو آج بھی ممالک اسلام میں کے سوا کہیں اور دیکھنا ممکن نہیں ہے۔

ممالک متحدہ امریکہ میں غلامی قانوناً ممنوع ہے لیکن کسی نیکہ دے کے لیے کسی گوری نسل کی عورت

کے ساتھ خواہ وہ کتنی بھی گئی گزری ہو شادی کرنا آج بھی ممنوع ہے۔ یہی نہیں بلکہ نیکہ و کاپک

بسوں اور دوسری سواریوں میں گوروں کے پیلو میں بیٹھنا یا ان کے ساتھ رستورن یا تھیٹر

میں جانا یا کسی سرائے یا ہوٹل میں ٹھہرنا بھی آج تک ممنوع ہے۔

ہجرت کے اولین دور میں جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان

مواخاتہ کرائی تو ان کے آزاد کردہ غلام زیدؓ اور ان کے چچا خزیمہؓ بھائی بھائی قرار دیے گئے

اور حضرت خالدؓ اور حضرت بلالؓ کے درمیان مواخاتہ ہوئی۔ یہ بھائی چارہ خونی رشتہ

کے برابر تھا۔ جان و مال اور زندگی کے سارے ہی معاملات میں ان کے درمیان قرابتداری

قائم ہو گئی۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصل بحق ہوئے اور حضرت ابو بکرؓ نے حبش اسامہ کی روانگی پر اصرار کیا تو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کیے ہوئے کمانڈر کو ہی باقی رکھا آپ ان کو رخصت کرنے اس حال میں مدینہ کے باہر تک کہ آئے اسامہؓ سواری پر تھے اور خلیفۃ السلیین ابو بکرؓ بیدل چل رہے تھے۔ پھر حضرت ابو بکرؓ کو یہ خیال آیا کہ ان کو حضرت عمرؓ کی ضرورت پڑے گی خصوصاً اب جب کہ خلافت کا بار ان کے کندھوں پر ان پڑا تھا۔ مشکل یہ تھی کہ عمرؓ حبش اسامہؓ کے ایک سپاہی تھے چونکہ اس کے امیر اسامہؓ تھے لہذا ضروری تھا کہ ان سے اجازت حاصل کی جائے۔ چنانچہ خلیفۃ السلیین نے کہا اگر آپ مناسب سمجھیں تو عمرؓ کو میری مدد کے لیے چھوڑ جائیں۔

اللہ اللہ یہ مقامات کتنے بلند ہیں۔ اتنے بلند کہ الفاظ ان تک پہنچنے سے قاصر ہیں۔ اسلام کا معاشرہ ایک ہمہ گیر اجتماعی عدل کا نظام ہے۔ اس میں مند و مذہبی استعلاعات اور غریب امیر سب کے درمیان باہمی تعاون موجود ہوتا ہے مسلمانوں کی تاریخ اس پر گواہ ہے۔ ۱۔ اسلام لاتے وقت حضرت ابو بکرؓ کے پاس تجارتی کاروبار کی آمدنی سے چالیس ہزار درہم جمع تھے۔ اسلام کے بعد انہوں نے تجارت کے ذریعے کافی نفع کمایا۔ مگر جس دن انہوں نے اپنے رفیق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مدینہ کو ہجرت کی ہے اس دن ان کی پونجی میں سے صرف پانچ ہزار درہم باقی رہ گئے تھے۔ ایسا سارا سرمایہ وہ ان کمزور مسلمانوں کا ذریعہ ادا کرنے میں صرف کر چکے تھے جو غلام تھے اور جنہیں اپنے آکاؤں کے ہاتھ ہر طرح کا عذاب سنا ہوتا تھا۔ اس مال میں سے وہ فقرا اور مساکین کی امداد بھی کرتے تھے۔

خلافت سے قبل حضرت عثمانؓ کے پاس شام سے ایک تجارتی قافلہ آیا جو گیسوں روغن زیتون اور منقہ سے لدے ہوئے ایک ہزار اونٹوں پر مشتمل تھا۔ قحط کا زمانہ تھا بہت سے تاجر آپ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ لوگوں کی ضرورت مندی سے بخوبی واقف ہیں۔ یہ مال ہمارے ہاتھ فروخت کر دیجیے۔ آپ نے فرمایا۔ بڑھی خوشی کے ساتھ میرا بٹاؤ مجھے قیمت خرید پر کتنا نفع دو گے تاجروں نے کہا کہ دو گئے دام لے لیجئے۔ آپ نے فرمایا لیکن مجھے نواس سے زیادہ کی پیش کش کی جا چکی ہے وہ لوگ حیران ہو کر کہتے لگے۔ اے ابو عمرو۔ مدینے

کے سارے تاجر تو اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔ کوئی دوسرا آدمی بھی ہم سے پہلے آپ سے نہیں ملا آخر یہ یہ کون ہے۔ جس نے آپ کو یہ پیش کش کی ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ نے مجھے ایک کے دس دینے کا وعدہ کیا ہے۔ کیا تم اس سے زیادہ دے سکتے ہو۔ انہوں نے کہا: نہیں۔ عثمانؓ نے اللہ کو گواہ ٹھہرا کر اعلان کر دیا کہ اس قافلہ کا سارا مال اللہ کی راہ میں فقراء اور مساکین کے لیے صدقہ ہے۔

علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے گھروالوں کے پاس ایک دن تنہا بنی ہوئی تین روٹیوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہ روٹیاں انہوں نے ایک مسکین، ایک یتیم اور ایک قیدی کو صدقہ کر دیں۔ مسکین یتیم اور قیدی شکم سیر ہو گئے اور یہ خود فاقہ کر کے سو رہے۔ حضرت حسینؓ پر قرض کا بار بت بڑھ گیا تھا۔ ایک چشمہ آپ کی ملک تھا۔ جسے فروخت کر کے آپ قرض آتا رہ سکتے تھے لیکن آپ اس لیے اسے نہیں فروخت کرتے تھے کہ اس سے غریب مسلمان سنبھالی گا کام لیتے تھے مدینہ میں انصار نے ہاجرین کو اپنے مال اور مکان سرخیز میں شریک ٹھہرایا۔ ان کو اپنا بھائی بنالیا۔ ان کی طرف سے دیت ادا کی۔ ان کے قیدیوں کا فدیہ دیا غرض یہ کہ ان کو بالکل اپنا بنالیا۔

حضرت عمرؓ فاروقؓ نے بیت المال سے بچوں، بوڑھوں اور بیماروں کے لیے وظائف مقرر کیے۔ یہ وظائف نیکوۃ کے معروف معارف کے علاوہ تھے اپنی نوعیت کے اعتبار سے اسے اس دور کے لیے سماجی تحفظ کا نظام قرار دیا جاسکتا ہے۔ آپ نے قحط کے دوران چوری کی سزا معطل کر دی تھی۔ کیونکہ اس بات کا شبہ موجود تھا کہ چوری پر بھوک نے مجبور کر دیا ہو۔ اسلام میں شبہ کی بنا پر حدود مال وی باقی ہیں ظاہر ہے کہ یہ واقعہ اجتماعی کفالت کی عملی مثالوں میں ایک فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے۔

ایک صحابی کے غلاموں نے ایک آدمی کی اذنی چمالی۔ ان کے اعتراف پر حضرت عمرؓ نے ان کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا لیکن جب ہاتھ کاٹنے کے لیے ان کو لے کر چلے تو آپؓ نے ان کو روک لیا۔ اور صحابی سے فرمایا سنو۔ خدا کی قسم اگر مجھے یہ معلوم نہ ہوتا کہ تم ان غلاموں سے کام تو خوب لیتے ہو۔ لیکن انہیں بھوکا رکھتے ہو۔ اور وہ اس حال کو پہنچ گئے ہیں کہ

جس میں کوئی شخصیں حرام کھائے تو بھی اس کیلئے جائز ہو۔ پھر آپ نے اس صحابی سے غلطی ہو کر فرمایا۔ خدا کی قسم میں ان کا ہاتھ نہیں کاٹوں گا۔ مگر تیرے اوپر تادان مانڈ کروں گا۔ پھر آپ نے اونٹنی کے مالک سے اس کے دام معلوم کیے۔ اس نے کہا چار سو درہم حضرت عمر فاروقؓ نے صحابی سے کہا۔ جاؤ اور اسے اٹھ سو ادا کرو۔ اور پھر آپ نے چوری کے مجرم غلاموں کو سزا معاف کر دی۔ کیوں کہ ان کے آقا نے انہیں بھوکا رکھ کر چوری کرنے پر مجبور کر دیا تھا اور وہ محتاج ہو گئے تھے۔

اسلام کی تاریخ میں اجتماعی کفالت کی شان کو جو چیز و بالا کرتی ہے وہ اس کا اسلامی دائرہ سے نکل کر پوری انسانیت کے لیے عام ہونا ہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک بوڑھے نابینا کو ایک دروازے پر بھیک مانگتے دیکھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ یہودی ہے آپ نے اس سے پوچھا تمہیں کسی چیز نے اس حالت تک پہنچا دیا۔ اس نے جواب دیا جو یہ ضرورت اور بڑھاپا حضرت عمرؓ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور اتنا کھدیا جو اس کی ضروریات کے لیے بہت کافی تھا۔ پھر آپ نے بیت المال کے خزانچی کو کھلا بھیج دیا۔ اس شخص اور اس جیسے دوسرے اشخاص کی طرف توجہ کی جائے۔ خدا تعالیٰ کی قسم یہ انصاف کی بات نہیں ہے کہ ہم اس کی جوانی دگی کمانی کھائیں اور بڑھاپے میں اسے دھتکار دیں زکوٰۃ فقرا اور مساکین کے لیے ہے اور یہ اہل کتاب کے مساکین میں سے ہے۔ آپ نے اس فرد اور اس جیسے دوسرے افراد کو جو یہ سے بری قرار دے دیا۔ اور ان کا وظیفہ مقرر کر دیا غرض یہ کہ خود کفالتی کی یہ اسکیم ایسی تھی جس نے انسانیت کو بلند مقام پر پہنچا دیا اسلام نے سماجی تحفظ کو ایک انسانی حق قرار دے دیا جو کسی مخصوص مذہب یا فرقہ کے ساتھ بھی مشروط نہ تھا۔ خود کفالتی کے اس عمل پر اس بات کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تھا۔ کہ محتاج کا عقیدہ کیا ہے۔ اور وہ کسی شریعت کا پابند ہے۔ یہ وہ مقام بلند ہے جس کی طرف اقدام میں آج انسانیت کے قدم تھک چکے ہیں اور وہ اب بھی اس سے بہت دور ہے۔ انسانیت کو اس مقام تک صرف اسلام ہی پہنچا سکتا ہے۔